دو موقف پیش کیے جاسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وحدتِ ازدواج کا تصور نصب العین ہے۔ اور کثرتِ ازدواج ایک طرح کی اجتماعی برائی تھی جسے بعض تاریخی مجبوریوں کی بنا پر اختیار کرلیا گیا۔ اور اب جب کہ تعلیم و تربیت نے ان تاریخی مجبوریوں کو دور کر دیا ہے ہمیں اسی نصب العینی تصور کی طرف بڑھنا چاہیے۔ دوسرا موقف یہ ہے کہ وحدتِ ازدواج اور کثرتِ ازدواج دونوں صورتیں یکساں جواز کی حامل ہیں اور بشرطِ عدل دونوں ہی کو نصب العینی قرار دیا جاسکتا ہے۔ یعنی اگر باہمی تعلقات میں عدل و احسان دائر و سائر نہیں ہے تو ان میں کسی پر بھی ایک نصب العینی شادی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اس موقف کی مزید تشریح کے سلسلہ میں اس حقیقت کو بھی سامنے رکھیے کہ کسی بھی امرِ مباح پر اس صورت میں قدغن عائد کر دینا جب کہ اس سے عدل و انصاف کے تقاضے مجروح ہوتے ہوں عین اسلامی اصولِ فقہ کے مطابق ہے۔ اس لیے اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ موجودہ معاشرہ کو وحدتِ ازدواج کی سطح پر لایا جائے۔ تو اس کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ ہم کثرتِ ازواج کو معاذ اللہ معصیت سمجھتے ہیں، یا ایک تاریخی شر تصور کرتے ہیں۔ یہ موقف ہماری شریعت، ہماری تاریخ، اور ہماری فقہ کے ساتھ بالکل ہم آہنگ نہیں۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ کثرتِ ازدواج سے چونکہ موجودہ حالات میں متعدد اجتماعی قباحتیں پیدا ہوتی ہیں اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو قائم رکھنا سخت دشوار ہو جاتا ہے اس لیے قرآن ہی کے منشا کے مطابق ہمیں ایک بیوی پر اکتفا کرنا چاہیے۔

نقطۂ نظر کے اس اختلاف سے دو باتوں کی تردید مقصود ہے۔ ایک تو یہ کہ وحدتِ ازدواج کا مسئلہ ہمارے لیے بالکل اجنبی، مستعار اور تقلید پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہ ہمارا اپنا مسئلہ ہے۔ اور ہمارے ہاں فقہ میں ایسی لچک پائی جاتی ہے کہ جس کی روشنی میں اس کی جملہ جزئیات و تفصیلات کو مرتب کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ناگزیر شخصی حالات میں بعض لوگوں کو کثرتِ ازدواج کا حق دینا چاہیے۔ اور اس کے دروازوں کو اس طرح سختی کے ساتھ بند نہیں کر دینا چاہیئے کہ جس سے شریعت کی وہ تمام مصلحتیں ہی ختم ہو جائیں جو اس سلسلہ میں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔